قرآنی معاشرتی احکام اور لفظِ لعلکم: حِکم وعصری اطلاقات

*ثمرین آفتاب
**ڈاکٹر محمد ارشد

Abstract

In the Holy Quran, Allah has mentioned many such social rules that are very important for the peace & stability of a society and welfare of human beings .This article will not only highlight the word "La'allakum" in terms of meaning, diction and eloquence but also explain its usage for different purposes. Apart from this, in this article light will be thrown on such social rules that have been defined under the word "La'allakum" along with its philosophy and their implementations in the present era.

بلاشبہ انسان اشرف المخلوقات اور مسجود ملائک ہے اور یہ اللہ رب العزت کی وہ واحد مخلوق ہے جسے اللہ نے نطق یعنی قوتِ گویائی عطا کی ہے۔ انسان اپنے مافی الضمیر، اپنے احساسات، جذبات کا اظہار الفاظ کے سانچے میں ڈھال کرتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ[1] "اسے (انسان کو) بولنا سکھایا"

جس طرح کسی عمارت کو بنانے کیلئے اینٹوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح لفظ بنانے کے لیے حروف اور جملوں کیلئے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے یعنی الفاظ حروف کا اور جملے الفاظ کا مرکب ہوتے ہیں۔ عربی میں حروف کی دو قسمیں ہیں، عاملہ اور غیر عاملہ۔

حروف عاملہ کی دو قسمیں ہیں، حروف عاملہ دراسم اور حروف عاملہ در فعل۔ حروف عاملہ در اسم کی سات قسمیں ہیں جن میں سے ایک حروف مشبہ بفعل ہے اور لفظِ لعل اسی حروف مشبہ بفعل میں سے ہے۔ ذیل میں لعل کے معنی و مفہوم پر روشنی ڈالتے ہیں:

---

*وزٹینگ لیکچرر، ادارہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
**ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

لعل کا معنٰی و مفہوم:

لعل حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے اور واسطے رجا یعنی ممکن الحصول آرزو کے لیے آتا ہے۔ یہ کلمۃ طمع و اشفاق ہے جو شاید، کاش، امید ہے، ممکن ہے جیسے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

لعل الساعة قريب[2]

ذیل میں لفظ لعل کے مفہوم کی وضاحت پیش کی جاتی ہے:

❖ لعل بمعنٰی شک:

لفظ لعل شک کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ابنِ منظور لسان العرب میں لعل کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

لعل كلمة شك و أصلها عل، والام في أولها ذائده[3]

"لعل کلمۃ شک ہے اور اسکی اصل عل ہے اور شروع والا حرف زائد ہے"

❖ لعل بمعنٰی گمان:

لفظ لعل بعض جگہوں پر گمان کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی اگر لعل کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو گمان کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔

امام زبیدی تاج العروس میں لکھتے ہیں:

ان معنى لعل هنا من جهة الظن والحسبان[4]

"لعل ظن و گمان کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے"

❖ لعل بمعنٰی تحقیق:

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ لعل اگر باری تعالیٰ کی طرف سے ہو تو وجوب اور تحقیق کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے حق میں توقع اور اندیشے کے معنٰی لینا صحیح نہیں۔

امام زبیدی تاج لعروس میں لکھتے ہیں: ولعل من الله تحقيق[5]

یعنی لعل کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو تحقیق کے معنٰی میں استعمال ہو گا۔

❖ لعل بمعنٰی امید:

ابن ھشام مغنی اللبیب میں لعل کا معنٰی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفيها عشر لغات مشهورة،ولها معان: احدها، التوقع.[6]

یعنی لعل کی دس مشہور لغات ہیں جن میں سے ایک توقع یعنی امید ہے

❖ **لعل بمعنیٰ استفہام:**

ابن ھشام مغنی اللبیب میں لکھتے ہیں:

لعل، الاستفهام، أثبته الكوفيون،ولهذا علق بها الفعل في نحو[7]

یعنی لعل بطور استفہام بھی استعمال ہوا ہے اور اسے کوفیوں نے ثابت کیا ہے اور یہ نحو میں فعل سے متعلق ہے۔

❖ **لعل بمعنیٰ طمع واشفاق:**

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

لَعَلَّ: طمع وإشفاق، وذكر بعض المفسّرين أنّ «لَعَلَّ» من الله واجب، وفسّر في كثير من المواضع ب «كي»، وقالوا: إنّ الطّمع والإشفاق لا يصحّ على الله تعالى، و «لعلّ» وإن كان طمعا فإن ذلك يقتضي في كلامهم تارة طمع المخاطب، وتارة طمع غيرهما[8]

لعل: طمع واشفاق (ڈرتے ہوئے چاہیے) کہ معنیٰ ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ اپنے لیے استعمال کرے تو اس کے معنیٰ قطعیت آجاتی ہے اس بناء پر بہت سی آیات میں اس لفظ کی تفسیر کی گئی ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے حق میں توقع اور اندیشے کے معنیٰ لینا صحیح نہیں اور گو لعل کے معنیٰ توقع اور امید کے ہیں مگر کبھی اسکا تعلق مخاطب سے ہوتا ہے اور کبھی متکلم سے اور کبھی ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے شخص سے ہوتا ہے۔

❖ **لعل بمعنیٰ شاید، کاش:**

ذین العابدین بیان السان میں لکھتے ہیں: "لعل: شاید، کاش (امید اور شک) کے معنی ادا کرتا ہے"[9]

وحید الزمان قاسمی القاموس الجدید میں لکھتے ہیں: "لعل: شاید، ممکن ہے اور امید ہے کہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے"[10]

پس معلوم ہوا کہ لفظ لعل شاید، کاش، گویا کہ، امید، ظن وگمان، تحقیق، شک، طمع واشفاق کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور بعض جگہوں پر اس کا استعمال بطور استفہام بھی کیا گیا ہے۔ مختصرا یہ کہ اگر اسکی نسبت اللہ رب العزت کی طرف ہو تو وجوب اور تحقیق کہ معنوں میں اور اگر بندوں کی طرف ہو تو گمان اور امید کہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

لعلکم کے قرآنی موضوعات کی تفصیل:

قرآن میں لفظِ لعلکم ۶۸ مقامات پر درج ذیل موضوعات میں استعمال ہوا ہے:

- لعلکم تتقون: ۶مرتبہ، لعلکم تشکرون: ۱۴مرتبہ، لعلکم تعقلون: ۸مرتبہ
- لعلکم تھتدون: ۶مرتبہ، لعلکم تفلحون: ۱۱مرتبہ، لعلکم تتفکرون: ۲مرتبہ
- لعلکم ترحمون: ۸ مرتبہ، لعلکم تذکرون: ۶مرتبہ، لعلکم تسئلون: ۱مرتبہ
- لعلکم تسلمون: ۱مرتبہ، لعلکم تخلدون: ۱مرتبہ،لعلکم تصطلون: ۲مرتبہ
- لعلکم تغلبون: ۱مرتبہ، لعلکم بلقآءربکم توقنون: ۱مرتبہ

پس لعل حروف مشبہ بفعل ہے اور کم اسکا اسم ہے یوں لعلکم کا معنیٰ ہے "شاید کے تم "یا" ہو سکتا ہے کہ تم"۔ عربی زبان چونکہ ایک وسیع زبان ہے اور اس کے ایک لفظ کے کئی کئی معنیٰ ہوتے ہیں لہذا انہی میں سے ایک قرآنی لفظ "لعلکم" ہے یہ لفظ قرآن میں مختلف جگہوں پر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مختصراً یہ کہ اگر اسکی نسبت اللہ رب العزت کی طرف ہو تو وجوب اور تحقیق کہ معنوں میں اور اگر بندوں کی طرف ہو تو گمان اور امید کہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآنی معاشرتی احکام اور لفظِ لعلکم:

معاشرت کے معنیٰ "رہن سہن "ہیں اور طرز معاشرت کا مطلب ہے معاشرے میں رہنے سہنے کے طور طریقے، معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ ربط وارتباط کے طریقے اور شب و روز کے مسائل حل کرنے کے اصول و ضوابط۔ معاشرت انسان کی اہم ضرورت ہے کیونکہ انسان ایک معاشرتی وجود ہے، وہ پیدائش سے لے کر موت تک اپنے معاشرے سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اپنی تمام تر ضروریات زندگی کے لئے جن میں خوراک، لباس، مکان، پڑھائی، نوکری، کاروبار اور زندگی کی دیگر ضروریات شامل ہیں وہ معاشرے کا سہارا لیتا ہے۔ لہذا معاشرے میں رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام اصول وضوابط اور احکام کی پیروی کرے جو اسلام نے اسے دیے ہیں کیونکہ اسلام کے بتائے ہوئے احکام ہی سے وہ معاشرے میں امن و سکون سے زندگی گزار سکتا ہے۔ ذیل میں "لعلکم" کے تحت آنے والے معاشرتی معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حکمِ قصاص:

اسلام امن کا داعی ہے اس نے دنیا میں امن و امان اور انصاف کے قیام اور فتنہ و فساد کے خاتمے کے لیے ایک معقول فوجداری ضابطہ پیش کیا ہے جن میں قصاص بھی شامل ہے۔ قصاص ایک قرآنی سزا ہے جو انسانی زندگی کے تحفظ اور قتل و غارت جیسے سنگین جرائم کی روک تھام میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [11]

"اے عقل مند لوگو! تمہارے لیے خون کا بدلہ (مشروع کرنے) میں زندگی ہے، تاکہ تم (ناحق قتل کرنے سے) بچو"

قصاص کا معنٰی و مفہوم:

قصاص کا لفظ " قصص الاثر " سے ماخوذ ہے جس کے معنٰی "روایت یا اثر کی بتدریج پیروی کرنا" کے آتے ہیں۔ اسی سے القصاص یعنی " قصہ گو " نکلا ہے کیونکہ وہ آثار و اخبار کی پیروی کرتا ہے۔ اس اعتبار سے قصاص کا معنی یہ ہوا کہ قاتل ، قتل کا جو راستہ اختیار کرتا ہے اس کے قدموں کے نشانوں پر اسکا پیچھا کیا جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: "القصاص کے معنی خون کا بدلہ دینے کے ہیں"[12]

شریعت میں قصاص کی حکمت:

بظاہر دیکھا جائے تو قصاص موت ہے لیکن حقیقت میں پوری زندگی کا راز اسی میں ہے۔ دورِ جاہلیت میں قصاص کا کوئی قاعدہ نہ ہونے کی وجہ سے دونوں طرف سے ہزاروں خون ہوتے تھے مگر پھر بھی فساد کی جڑ ختم نہ ہوتی تھی۔ عرب کی تمام خانہ جنگیاں جو برس ہا برس تک جاری رہتی تھیں اس کی ایک بڑی وجہ صرف یہی تھی۔ اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے مقتول کے اہلخانہ اور وارثوں کے دلوں کی تشفی کے لیے اور عہدِ جاہلیت کے اس دستور کی بیخ کنی کے لیے قصاص کا حکم دیا ہے تاکہ مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ اپنا بھانک انجام دیکھ کر قتل کے ارتکاب سے باز آجائیں گے اور اس طرح بہت سے بے گناہ انسانوں کی جانیں قتل و غارت سے بچ جائیں گی۔

یوں مندرجہ بالا آیت سے دو اہم نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ قصاص میں سب کی زندگی کی حفاظت کا سامان۔

۲۔ قصاص ہولناک انجام سے بچاؤ کا ذریعہ۔

ذیل میں ان نکات کی وضاحت پیش کی جاتی ہے

۱۔ قصاص میں سب کی زندگی کی حفاظت کا سامان:

قتل کرنے والے کو جب یہ خوف ہو گا کہ میں بھی قصاص میں قتل کیا جاؤں گا تو پھر اسے یہ جرأت نہ ہو گی کہ وہ کسی کو قتل کرے یا مارے۔ اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے وہاں یہ خوف معاشرے کو قتل اور خونریزی سے محفوظ رکھتا ہے جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے۔ امام مظہری لکھتے ہیں:

"جب قصاص کا حکم معلوم ہو جائے گا تو یہ قاتل کو قتل کے ارادہ سے باز رکھے گا کیونکہ وہ ڈرے گا کہ اگر میں قتل کر دوں گا تو قصاص میں میری بھی جان جائے گی تو اس قصاص کے مشروع ہونے سے دو جانیں بچ گئیں" [13]

۲۔ قصاص ہولناک انجام سے بچاؤ کا ذریعہ:

آیت میں قصاص کو زندگی قرار دے کر آخر میں جو یہ فرمایا گیا ہے: **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**[14]

اس میں قصاص کی حکمت وعلت واضح کی جا رہی ہے کہ امید رکھو کہ تم اس طرح اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے، ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے یا قصاص کے خوف سے کسی کو قتل کرنے سے بچو گے اور اسی طرح قصاص کے سبب ہی عذاب آخرت سے بچو سکو گے۔

پس معلوم ہوا کہ لعلکم تتقون کا استعمال اللہ کے قانون کی خلاف ورزی سے بچنے، ظلم و زیادتی کرنے سے بچنے اور اللہ سے ڈرنے کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر بچنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

عصری اطلاق:

اسلام جتنی تاکید کے ساتھ انسان کے قتل کی حرمت کو بیان کرتا ہے، عصر حاضر میں اس کی اتنی ہی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر قتل کے واقعات روزانہ اخباروں کی سرخیاں بنتے ہیں اور اسکی ایک وجہ قصاص کے قانون کا مفقود ہونا ہے۔ اگر آج پاکستان میں ہی دیکھ لیا جائے تو قتل و غارت گری کی شرح بہت بڑھ چکی ہے۔ کبھی غیرت کے نام پر قتل ہو رہا ہے تو کبھی زمین کے ٹکڑے کے لیے کسی انسان کا قتل کر دیا جاتا ہے اور اسکی وجہ قصاص جیسے حکم کو نظر انداز کرنا ہے۔

پاکستان میں کچھ شرعی قانون محمد ضیاء الحق کی صدارت کے دوران تعزیرات پاکستان میں شامل تو کیے گئے مگر ان پر باقاعدہ عمل نہ ہو سکا۔ اس میں قصاص کا قانون بھی شامل ہے۔ قصاص کے قانون کو غلط استعمال کرنے کے متعدد

واقعات سامنے آئے جیسے:

- قاتل ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کا واقعہ
- عدالت اعظمیٰ کے چیف جسٹس افتخار چودھری نے قصاص قانون کے استعمال پر برہمی کا اظہار کیا اور نواز شریف کی پارلیمان کو اس سلسلہ میں قانون سازی کا مشورہ دیا[15]

اس کے برعکس کچھ واقعات میں مبینہ طور پر قصاص کے غلط استعمال سے کسی فرد کو سزا دینا:

- مرزا طاہر حسین، جس نے اپنے اوپر جنسی حملہ کرنے والے کو حملہ آور کی پستول سے قتل کر دیا اور مقتول کے خاندان نے قصاص کے قانون کے تحت اسے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ (18 سال بعد پرویز مشرف نے عالمی دباؤ پر اسے ماروائے عدالت رہا کر دیا)[16]۔

بلاشبہ قانونِ قصاص عدل و مساوات کا قانون ہے۔ اگر قتل کرنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی تو اس کا حوصلہ بڑھے گا اور مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ بھی نڈر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے اور یوں غریب اور مجبور و بے سہارا طبقہ ظلم و زیادتی کا نشانہ بنا رہے گا۔لہٰذا موجودہ دور میں بھی قصاص کو نافذ کرنے میں کوئی نرمی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اسی میں انسانی زندگی کی بقاء اور معاشرے کا امن پوشیدہ ہے اور یہی قانون اللہ کے غضب سے بچنے کا باعث بھی ہے۔

حکمِ استیذان:

اسلام دینِ کامل ہے جس میں انسان کو انفرادی واجتماعی زندگی گزارنے کے قوانین وآداب بیان کر دیے گئے ہیں۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی رہنمائی کے لیے آداب دین موجود نہ ہوں۔ اسلام نے تو فرد کی نجی زندگی کو بھی پرسکون اور محفوظ بنانے کے لیے کچھ آداب بتائے ہیں جن میں سے ایک ادب استیذان ہے (اجازت لینا ہے)۔ ارشاد فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا۟ وَتُسَلِّمُوا۟ عَلَىٰٓ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ[17]

"اے ایمان والو! اپنے گھر کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو"

اس آیت میں اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں بھی داخل ہونے کے آداب بتائے جارہے ہیں۔ جن میں پہلا ادب یہ ہے کہ داخل ہونے سے قبل اجازت لی جائے اور اجازت ملنے پر داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کہنا چاہیے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ جاہلیت میں اہل عرب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ: حُيِّيتم صَبَاحاً، حُيِّيتم مَسَاءً (صبح بخیر، شام بخیر) کہتے ہوئے بے تکلف ایک دوسرے کے گھر میں گھس جاتے تھے اور بعض اوقات گھر والوں پر اور ان کی عورتوں پر نادیدنی حالت میں نگاہیں پڑ جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ ہر شخص کو اپنے رہنے کی جگہ میں تخلیے کا حق حاصل ہے اور کسی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے تخلیے میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر خلل انداز ہو۔ اس حکم کے نازل ہونے پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معاشرے میں جو آداب اور قواعد جاری فرمائے انہیں ہم ذیل میں نمبر وار بیان کرتے ہیں:

۱۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تخلیے کے اس حق کو صرف گھروں میں داخل ہونے کے سوال تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک عام حق قرار دیا۔ حدیث میں آتا ہے

"لو أن امرأ أطلع عليك بغير إذن، فخذفته بعصاة، ففقأت عينه، لم يكن عليك جناح".[18]

"اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے تمہارے گھر میں جھانکے اور تم لاٹھی سے اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے"

۲۔ اجازت لینے کا حکم صرف دوسروں کے گھر جانے کی صورت ہی میں نہیں ہے بلکہ خود اپنے گھر، اپنی ماں، بہنوں کے پاس جانے کی صورت میں بھی ہے۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:" حضرت عطار حمۃ اللہ علیہ نے پوچھا۔ میرے گھر میں میری یتیم بہنیں ہیں جو ایک ہی گھر میں رہتی ہیں اور میں ہی انہیں پالتا ہوں کیا ان کے پاس جانے کے لئے بھی مجھے اجازت کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ضرور اجازت طلب کیا کرو، میں نے دوبارہ یہی سوال کیا کہ شاید کوئی رخصت کا پہلو نکل آئے آپ نے فرمایا کیا تم انہیں ننگا دیکھنا پسند کروگے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا پھر ضرور اجازت مانگا کرو۔"[19]

۳۔ ابتداء میں جب استیذان کا قاعدہ مقرر کیا گیا تو لوگ اس کے آداب سے واقف نہ تھے۔ بنو عامر کا ایک آدمی آیا اور اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، کہنے لگا: ''کیا میں اندر آجاؤں؟ ''نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے خادم سے کہا:

اخْرُجْ إِلَى هَذَا فَعَلِّمْهُ الِاسْتِئْذَانَ فَقُلْ لَهُ قُلْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ[20]

"اس کے پاس جاؤ اور اسے اجازت مانگنے کا طریقہ سکھاؤ کہ وہ اس طرح کہے: (اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ ؟) " السلام علیکم، کیا میں اندر آسکتا ہوں ؟ اس آدمی نے یہ بات سن لی اور کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ ؟ "تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے اجازت دے دی اور وہ داخل ہو گیا"

۴۔ اجازت طلب کرنے میں اصرار کرنا، یا اجازت نہ ملنے کی صورت میں دروازے پر جم کر کھڑے ہو جانا جائز نہیں ہے۔ اگر تین دفعہ استیذان کے بعد صاحب خانہ کی طرف سے اجازت نہ ملے، یا وہ ملنے سے انکار کر دے تو واپس چلے جانا چاہیے۔

حکمتِ استیذان:

اللہ کریم نے ہر انسان کو جو اس کے رہنے کی جگہ عطا فرمائی ہے، وہ اس کا مسکن ہے اور مسکن کی اصل غرض سکون وراحت ہے۔ اور یہ سکون اسی صورت باقی رہ سکتا ہے کہ انسان دوسرے کسی شخص کی مداخلت کے بغیر اپنے گھر میں، اپنی ضرورت کے مطابق، آزادی سے کام اور آرام کر سکے۔ اور بعض اوقات آدمی اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اس حال میں اسے دیکھے، اب اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کے گھر میں چلا جائے تو کئی قسم کی اخلاقی اور سماجی بیماریاں اور مسائل جنم لے سکتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان تمام خرابیوں کا سدباب کرنے کے لیے کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے۔

ارشاد فرمایا: ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[21]. اس سے واضح کر دیا کہ انہی اصولوں کی اتباع میں تمہارے لیے بہتری ہے یعنی اجازت طلب کرنا اور سلام کرتے ہوئے داخل ہونا خیر کا باعث ہے۔ "لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" سے واضح کر دیا کہ امید ہے تم اس سے نصیحت حاصل کرو گے کہ جس طرح تمہیں دوسروں کا بلا اجازت آگھسنا برا محسوس ہوتا ہے، اسی طرح دوسروں کو تمہارا بلا اجازت در آنا بھی برا محسوس ہوتا ہے۔

عصری اطلاق:

موجودہ دور میں اگر دیکھا جائے تو افسوس ہوتا ہے کہ آج کا مسلمان اس حکم الٰہی سے غافل نظر آتا ہے۔ اس کی چھوٹی سی مثال ہمارے معاشرے میں مشترکہ خاندانی نظام ہے جہاں عورت کو اپنے دیور، جیٹھ اور گھر کے دیگر افراد کے ساتھ

ایک چھت تلے رہنا پڑتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ایک عورت کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے پردہ کرے۔ بہت سے گھروں کے آزادانہ ماحول میں لوگ اجازت جیسے ادب کو ضروری نہیں سمجھتے اور یہی چیز فتنہ و فساد کا باعث بنتی ہے ۔ بہر حال دوسروں کے گھروں یا کمروں میں بلا اجازت داخل ہونے اور تانک جھانک کرنے سے مسائل اور فساد پیدا ہوتا ہے لہذا شریعت اسلامیہ نے اس عمل کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ پس معاشرے کا امن قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ استیذان جیسے حکم الٰہی پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے اور نہ صرف دوسروں کے گھروں بلکہ اپنے گھر میں بھی دوسروں کے کمروں میں جانے سے قبل اجازت طلب کرنی چاہیے۔

باہمی اکل وشرب اور گھر میں داخل ہونے کے آداب سے متعلق احکام:

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ حکم نازل کیا۔ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ تو مسلمانوں نے احتیاط کی بنا پر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے گھروں کا کھانا کھانا بھی چھوڑ دیا اور خیال کیا کہ بلا ضرورت کسی کے گھر کا کھانا حلال نہیں حتی کہ اندھوں اور لنگڑوں اور بیماروں نے بھی اپنے اعزاء اور اقارب کے گھر جانے میں تنگی محسوس کی اور خیال کیا کہ شاید ہماری معذوری اور ہماری بیماری دوسروں کے لئے باعث گرانی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ[22]

"نابینا پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ، یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ اور اپنی ماں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے

کہ تم سب مل کر کھانا یا الگ الگ کھانا پھر جب تک گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کر بھیجو، اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو، اللہ اسی طرح تمہارے لئے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لو"

اس آیت میں دو اہم مسئلوں کو بیان کیا گیا ہے ایک تو باہمی اکل و شرب کے آداب کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کن کن گھروں سے بلا اجازت کھانا کھایا جا سکتا ہے اور دوسرا گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

جن گھروں سے کھانے کی اجازت:

اس آیت میں جن لوگوں کے گھروں اور جن کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے انکی فہرست بیان کر دی گئی ہے۔

۱۔ اندھے، لنگڑے اور بیمار لوگ اپنی بھوک رفع کرنے کے لئے ہر جگہ اور ہر گھر سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عام اجازت دے دی ہے کیونکہ ان کی معذوری بجائے خود سارے معاشرے پر ان کا حق قائم کر دیتی ہے

۲۔ دوسرے عام لوگ پر اپنے والدین، اپنے بھائیوں، اپنی بہنوں، اپنے چچاؤں، اپنی پھوپھیوں، اپنے ماموؤں، اپنی خالاؤں کے گھروں سے کھانے میں کوئی پابندی نہیں۔

۲۔ ان گھروں سے بھی کھایا جا سکتا ہے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو۔ یعنی جن کے تم متولی ہو اور وہ مکان تمہارے زیر تصرف ہوں مثلاً کسی نے تم کو اپنے مکان کا وکیل اور متولی اور محافظ بنا دیا ہے اور بقدر ضرورت تم کو اس سے کھانے کی اجازت دی ہے۔

۳۔ اپنے دوست کے گھر سے جو تمہارا سچا دوست ہے۔ جسے تمہارے کھانے سے خوشی ہوتی ہے اور تمہارا جانا اس پر شاق اور گراں نہ گزرتا ہو۔

پس ان لوگوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ کھانا ناحق کھانا نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے **لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** میں ممانعت کی ہے۔ یہ آیتیں نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تمہیں اس بارے میں رخصت اور وسعت ہے تنگی کی ضرورت نہیں۔

اکٹھے اور تنہا کھانے کی اجازت:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَأْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اکٹھے ہو کر کھانے اور علیحدہ علیحدہ کھانے کی اجازت دی اور کسی ایک چیز کا پابند نہیں بنایا۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک آسانی ہے، اگرچہ اکٹھے ہو کر

کھانے سے برکت ہوتی ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

طعام الاثنين كافي الثلاثة، وطعام الثلاثة كافي الأربعة.[23]

"دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو کفایت کرتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کفایت کرتا ہے"

پس معلوم ہوا کہ معذور لوگوں، اقرباء کے ہاں، اپنے دوستوں اور جن گھروں کی چابیاں پاس ہوں ان گھروں سے کھانے کی اجازت ہے اور اس سلسلے میں اکٹھے یا الگ الگ کھانے میں میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام کہنا:

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً[24]

اس میں اپنے گھروں میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام عرض کرو کیونکہ سلام کہنا دراصل دعا ہے جس میں ہم دوسروں کی خیر اور سلامتی چاہتے ہیں۔ لیکن بعض لوگوں کے لیے اپنی بیوی یا اپنے بچوں کو سلام کرنا گراں گزرتا ہے، تاہم اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ایسا کریں، آخر اپنے بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھا جائے؟

حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: أن رجلا ، سأل النبي صلى الله عليه وسلم أي الإسلام خير قال " تطعم الطعام ، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف "[25]

"کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، اسلام کی کون سی بات زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو، چاہے تم اسے پہچانو یا نہ پہچانو"

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُونَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُونَ[26]

"سیدنا عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا "السلام علیکم" آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گیا، تو آپ نے فرمایا: "(اس کے لیے) دس نیکیاں ہیں۔

"پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا" السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ "آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: "(اس کے لیے) بیس (نیکیاں) ہیں۔ "پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ "آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پس وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: "(اس کے لیے) تیس (نیکیاں) ہیں"
اسی ضمن میں امام مظہری جو لکھتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ سلام کے جواب کو باعث برکت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس سے خبر میں زیادتی اور ثواب کی امید کی جاتی ہے۔

حکمت :

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ[27]

آیت میں بیان کردہ احکامات کو کھول کر بیان کرنے کی حکمت عقل اور سمجھ بوجھ سے سے کام لیتے ہوئے اللہ کے بیان کردہ پاکیزہ احکام و آداب اور ان مقدس ہدایات وارشادات کو سچے دل سے اپنا کر دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونا اور اپنی زندگیوں کو آسان بنانا ہے۔

عصری اطلاق:

موجودہ دور نفسا نفسی کا دور ہے ہر شخص زیادہ سے زیادہ کی ہوس میں مبتلا ہے اور غریبوں اور ضرورتمندوں پر خرچ کرنا بہت سے لوگوں کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ بے حسی تو آج کے معاشرے کا معمول بنتی جارہی ہے، ہمیں اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں، ضرورت مندوں کے دکھ درد کا احساس ہی نہیں ہے۔ ہم خود تو پیٹ بھر کر کھاتے ہیں لیکن برابر میں رہنے والے بھوکے پڑوسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس کے بچے روٹی کو ترستے ہیں اور ہم اپنے بچے پر ضرورت سے زائد خرچ کرتے ہیں۔ پس اسی چیز نے معاشرے سے اخوت و محبت کے جذبات کو تقریبا ختم کر دیا ہے۔ لیکن ہمارا اسلام چونکہ اس چیز کی اجازت نہیں دیتا سو اس نے تمام افراد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے علاوہ ایسے لوگوں کی بھی نشاندہی کر دی ہے جن کے گھروں سے کھانا پینا جائز ہے۔ جیسے اندھے، لنگڑے اور بیمار لوگ اپنی بھوک رفع کرنے کے لئے ہر جگہ اور ہر گھر سے کھانا کھاسکتے ہیں۔ اب چونکہ دوسروں پر خرچ کرنا یا غریبوں محتاجوں کو کھلانا باعث رحمت وبرکت ہے سو ہمیں اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے ان قرآنی تعلیمات، سیرت رسول ﷺ اور طرز صحابہ پر عمل کرنا چاہیے۔

اخلاق حسنہ کا حکم:

دین اسلام اپنے ماننے والوں کو اچھے اخلاق کی ترغیب دیتا ہے اور انہیں برے افعال اور بد اخلاقی سے روکتا ہے، ہر وہ عادت جو معاشرہ میں خیر و بھلائی کو فروغ دینے والی ہے اسلام اس کی دعوت دیتا ہے اور جو عادت معاشرہ میں شر اور فساد کو عام کرتی ہے اسلام اس سے منع کرتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[28]

"بیشک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان کرو اور رشتہ داروں کو دو اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے وہ تم کو نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔"

اس آیت میں تین باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تین باتوں سے منع کیا گیا ہے اور یہ چھ الفاظ اس قدر وسیع المعنی ہیں کہ ساری اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ان میں آ گیا ہے۔ اسی لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر قرآن میں کوئی آیت نہ ہوتی تو صرف یہی آیت انسان کی ہدایت کے لیے کافی تھی۔

عدل وانصاف کا حکم:

آیت میں جو پہلا حکم دیا گیا ہے وہ عدل کا ہے۔ عدل کا معنی ہے انصاف کرنا۔ یعنی اپنوں اور غیروں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اور اس کے دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی معاملے میں بھی کسی کے ساتھ بھی زیادتی یا کمی کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: "کسی چیز کے برابر اس کا بدلہ دینے کا نام عدل ہے یعنی نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دینا جبکہ نیکی کے مقابلہ میں زیادہ نیکی اور شر کے مقابلے میں کم شر کرنا احسان ہے"[29]

پس معلوم ہوا کہ عدل کے معنی برابری، توازن قائم رکھنے اور انصاف قائم کرنے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیتا ہے۔

احسان کا حکم:

آیت میں جو دوسرا حکم دیا جارہا ہے وہ احسان کا ہے۔ احسان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے معنی تفضل کے ہیں یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا مثلاً کسی کام کی

مزدوری سو روپے طے ہے۔ لیکن مزدوری دیتے وقت دس بیس روپے زیادہ دینا یہ احسان ہے۔ احسان کے ایک تیسرے معنی حسن عبادت ہے، جس کو حدیث میں ان تعبد اللہ کانک تراہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو سے تعبیر کیا گیا ہے. پس معلوم ہوا کہ احسان معاشرے میں امن وامان کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم:

آیت میں جس تیسری چیز کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ رشتے داروں کا حق ادا کرنا یعنی ان کی امداد کرنا ہے۔ اسے حدیث میں صلہ رحمی کہا گیا ہے اور اس کی نہایت تاکید احادیث میں بیان کی گئی ہے ۔ حضرت ابو ایوب انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم " تعبد اللہ لا تشرك به شيئا ، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصل الرحم،[30]

" نبی ﷺ نے فرمایا تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ ملاپ رکھو۔ "

معلوم ہوا کہ اللہ صلہ رحمی کو پسند کرتا ہے اور رشتہ داروں کو دینے، انکی ضروریات کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ یہ عمل جنت میں داخل کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس حسن سلوک سے خاندان اور معاشرے میں محبت ، حلاوت اور پاکیزگی کی فضا بھی پیدا ہوتی ہے۔

فحش سے باز رہنے کا حکم:

درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ بے حیائی سے بچنے کا حکم دیتے ہیں یعنی ان برے کاموں سے بچنے کا حکم جو شہوانی اور نفسانی قوت کے اشارہ پر کیے جائیں جیسے زنا اور لواطت وغیرہ وغیرہ۔ قرآن میں ایک جگہ فرمایا:

ولا تقربوا الزنی انه کان فاحشة وساء سبیلا[31]۔

" اور زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے "

ایک اور جگہ فرمایا:

قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق[32]۔

" آپ کہیے میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا ہے خواہ وہ کھلی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ کو

اور ناحق سرکشی کو"

خلاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قسم کے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمادیا خواہ وہ علانیہ کیے جائیں یا چھپ کر۔

منکر سے باز رہنے کا حکم:

آیت میں بیان کردہ دوسری چیز منکر ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ "منکر" کے معنی نامعقول اور ناپسندیدہ کے ہیں منکر سے وہ امور مراد ہیں جو شریعت کے نزدیک نامعقول اور ناپسندیدہ ہوں اور قوت غضبیہ اور سبعیہ کے اشارہ سے سرزد ہورہے ہوں جیسے کسی کو قتل کردینا یا کسی کا مال غصب کرلینا۔ قوت غضبیہ اور سبعیہ ہی انسان کو ایذارسانی پر آمادہ کرتی ہے اور یہ امر تمام عقلاء کے نزدیک "منکر" یعنی ناپسندیدہ ہے۔

سرکشی سے باز رہنے کا حکم:

تیسری چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ "بغی" ہے اس کا مطلب ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرنا، اپنی حد سے تجاوز کرنا اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِیمَا یَرۡوِی عَنۡ رَبِّہِ تَبَارَكَ وَتَعَالَی إِنِّی حَرَّمۡتُ عَلَی نَفۡسِی الظُّلۡمَ وَعَلَی عِبَادِی فَلَا تَظَالَمُو[33]

"کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور تم پر بھی حرام کیا ہے، لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔"

معلوم ہوا ظلم کرنا اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنا قرآن کی رو سے ممنوع ہے، اس سے بچنا چاہیے۔

حکمت:

عدل و احسان، رشتہ داروں کو دینا، بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے باز رہنا ایسی احکامات ہیں جو کسی بھی معاشرے میں امن و امان اور خوشگواریت لاتے ہیں سو اللہ ان اوامر و نواہی کے ذریعے نصیحت کرتا ہے کہ ان باتوں کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو کیونکہ اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔

عصری اطلاق:

آج کا دَور ترقی یافتہ کہلاتا ہے، زندگی کے ہر گوشے میں نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں، ہر قسم کی سہولیات لوگوں کو میسر ہیں لیکن اسکے باوجود آج لوگوں کو سکون و طمانیت حاصل نہیں، ایک دائمی بے اطمینانی ہے، جو سب پر مسلط ہے، ہر

طرف ظلم و ستم کی گرم بازاری ہے، عدل و انصاف کا فقدان نظر آرہا ہے، بے حیائی زِنا اور شراب نوشی یہ سب عام ہو چکی ہیں اور ان سب کی وجہ اللہ کے کلام اور اسکے احکام سے دوری ہے۔ آج کے دور میں انتشار اور فساد کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر معاملے میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے یعنی ہر شخص کو اس کے حقوق پوری ایمان داری سے ادا کیے جائیں۔ جس کا جس قدر اور جس نسبت سے حق بنتا ہے وہ اسے پورا پورا دیا جائے۔

دوسری چیز جس کا قرآن نے حکم دیا ہے وہ احسان ہے پس اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اور دوسروں کا حق دیتے ہوئے احسان کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ تیسری بات رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور انکی ضروریات کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ جن تین باتوں کو اسلام نے ناپسند کرتے ہوئے منع فرمایا ہے وہ بے حیائی، برائی اور ظلم و زیادتی کا ارتکاب ہے سو ان سب برے کاموں سے بچنا چاہیے تا کہ اللہ کو راضی کیا جاسکے اور دنیا و آخرت میں تباہی سے بچا جاسکے۔

یمین سے متعلق شرعی حکم:

انسان چھوٹا ہو یا بڑا زندگی میں ضرور قسم کھاتا ہے بعض تو اسے تکیہ کلام کے طور پر قسم کھاتے اور بعض جان بوجھ کر یا عادتا اس کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن دین اسلام ہمیں اس معاملے میں بھی ہدایات دیتا ہے تا کہ اس ضمن میں انجانے میں ہم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [34]

" اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا ' سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا کہ تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو ' یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے ' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو ' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم شکر ادا کرو"

اس آیت میں قسم کی دو قسموں یمین لغو اور یمین منعقدہ کا بیان اور اس سے متعلقہ احکام کا ذکر کیا گیا ہے

یمین لغو کا مفہوم:

لغو کے کلام عرب میں دو معنی ہیں۔ ایک معنی بے فائدہ اور باطل کلام جس سے کوئی عقد نہ کیا جائے۔ دوسرا معنی ہے فحش اور بے ہودہ کلام 'جو گناہ کا موجب ہو۔ قرآن مجید میں ہے **لا یسمعون فیہا لغوا الا سلما** [35]"وہ جنت میں کوئی فضول اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے بجز سلام کے۔"

یمین لغو پر عدم گرفت:

اس قسم کی قسموں پر نہ کوئی گناہ ہوتا ہے اور نہ کوئی کفارہ واجب ہوتا ہے البتہ بلاضرورت قسم کھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے احتیاط کرنی چاہیے۔

یمین منعقدہ کا مفہوم:

مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو یہ یمین منعقدہ ہے۔ ایسی قسم کو توڑنا عام حالات میں بڑا گناہ ہے، اور اگر کوئی شخص ایسی قسم توڑدے تو اس کا کفارہ بھی واجب ہے.

یمین منعقدہ پر مواخذہ:

امام مظہری لکھتے ہیں:

"کہ پختہ قسموں کو اگر توڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت کرے گا یا یوں کہو کہ پختہ قسموں کو توڑنے پر تم سے مواخذہ کرے گا"[36]

معلوم ہوا کہ ارادۃ پکی قسمیں کھانے سے اللہ کی ذات گرفت فرمائے گی۔ اب ایسی قسموں کے مواخذہ سے کیسے بچا جا سکتا ہے اس کے بارے میں اسی آیت میں اسکا کفارہ بھی بتایا گیا ہے۔

قسم توڑنے کا کفارہ:

ایسی قسم کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جیسا اپنے گھر والوں کو کھلایا جاتا ہے یا دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کپڑا پہنانا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے اگر ان تینوں میں سے ایک کام کی بھی استطاعت نہ ہو تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہو گا جو تین دن کے روزے ہیں جو متواتر رکھنے ہوں گے۔

احکامات میں نرمی کی حکمت:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ[37]

اس آیت میں ان قسموں پر جن پر اللہ نے گرفت فرمائی تھی اس کا کفارہ بھی بتادیا گیا ہے تاکہ انسان مواخذہ سے بچ سکے اور کفارہ میں بھی آسانی کا پہلو پیش کیا کہ کھانا کھلادو، لباس دے دو یا غلام آزاد کردو اور اگر کچھ نہ کرسکو تو تین روزے رکھ لو تاکہ تم بچ سکو۔ اب یہ آسانی اور یہ نرمی اس لیے رکھی تاکہ اس کا شکر ادا کیا جاسکے۔ یہاں لعلکم کی نسبت بندوں کی طرف ہے سو بندوں کو اللہ کے اس احسان پر اسکا شکر ادا کرنا چاہیے۔

عصری اطلاق:

دور حاضر میں دیکھا جائے تو قسم کھانا بہت سے لوگوں کی عادت اور بہت سے لوگوں کا تکیہ کلام نظر آتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کے متعلق یا تو اللہ کے احکام سے واقف نہیں یا واقف تو ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے اور اسے ایک معمولی بات سمجھتے ہیں مگر قرآن نے اس سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ[38]

" اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو، باوجود اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو"

قسم کھالینا کوئی مذاق نہیں ہے اس لیے اول تو قسمیں کم سے کم کھانی چاہئیں، اور اگر کوئی قسم کھالی ہو تو حتی الامکان اسے پورا کرنا ضروری ہے بصورت دیگر کفارہ ادا کرنا چاہیے ورنہ انسان اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔

اخوت اور بھائی چارے کا حکم:

اسلام امن کا داعی ہے یہ تمام مسلمانوں میں رشتہ اخوت پیدا کرتا ہے اور انہیں اپنے اندر اتحاد واتفاق قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے اور بلا امتیاز، حسب ونسب، رنگ، نسل اور زبان تمام مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم کرتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ[39]

"بیشک سب مومن آپس میں بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"

یہ آیت دنیا کے تمام مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم کرتی ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ کسی دوسرے دین یا مسلک کے پیروؤں میں وہ اخوت نہیں پائی گئی ہے جو مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔

۱۔ایمان والوں کا آپس میں بھائی بھائی ہونا:

یعنی تمام مؤمنوں کی اصل ایک ہے یعنی سب کی اصل ایمان ہے اور ایمان ہی حیات ابدی کا موجب ہے۔ اس لیے تمام اہل ایمان بھائی ' بھائی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال "المسلم أخو المسلم، لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة".[40]

"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو رسوا کرے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور فرمادے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے، قیامت کے دن اللہ اس کا پردہ رکھے گا" معلوم ہوا سب مومن آپس میں دین کی رو سے بھائی بھائی ہیں۔

۲۔اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم:

دو مسلمانوں، افراد یا دو گروہوں میں اختلاف واقع ہو سکتا ہے، لیکن ان کے قریب جو تیسرا فرد یا گروہ ہے، اس کی ذمے داری ہے کہ ان لڑنے یا اختلاف کرنے والوں میں فوراً صلح کرادے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرے جو دو بھائیوں سے کیا جاتا ہے۔ بحیثیت مسلمان یہ ذمے داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے کہ ہم مسلمانوں کے درمیان مزید جھگڑا کرنے کی فضا پیدا نہ کریں بلکہ واقع ہونے والے جھگڑے کو نہ صرف ختم کرائیں بلکہ جھگڑے کی بنیاد اور سبب کا خاتمہ بھی کریں۔

عن أبي حازم، عن سهل بن سعد، رضي الله عنه أن أهل، قباء اقتتلوا حتى تراموا بالحجارة، فأخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك فقال "اذهبوا بنا نصلح بينهم".[41]

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت پر عمل کرکے دکھایا ہے، جیسا کہ سیدنا سہل بن سعد (رض) کہتے ہیں کہ قبا کے لوگ آپس میں لڑ پڑے، یہاں تک کہ انھوں نے ایک دوسرے پر پتھر پھینکے۔ یہ خبر جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دی گئی تو آپ نے فرمایا ہمیں ان کے پاس لے چلو، تاکہ ان کے درمیان صلح کرادیں"

حکمت:

آیت میں لعلکم ترحمون کے الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ اگر تم مومن بھائیوں کے درمیان صلح کرواؤ گے اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو گے تو امید رکھو کہ اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پاجاؤ گے کیونکہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان و تقوی کے لئے یقینی ہے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں:" دونوں لڑنے والی جماعتوں اور دونوں طرف کے اسلامی بھائیوں میں صلح کرادو اپنے تمام کاموں میں اللہ کا ڈر رکھو۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی رحمت تم پر نازل ہو گی پرہیز گاروں کے ساتھ ہی رب کا رحم رہتا ہے"[42] معلوم ہوا کہ اپنے اسلامی بھائیوں کے درمیان صلح کروانا اللہ کی رحمت کا باعث بنتا ہے۔

عصری اطلاق:

کسی بھی معاشرے کا لازمی جز اخوت اور بھائی چارہ ہے اور مسلم معاشرے میں تو اسکی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ باہمی محبت ، مدد کا جذبہ، ہمدردی اور تعاون کرنا ہی ایسی صفات ہیں جو کسی مسلم معاشرے میں خدا پرستی کے ساتھ ساتھ بندوں کے ساتھ تعلق کی بنیادیں مضبوط کرتی ہیں۔ آج پاکستان کے معاشرے کا جائزہ کیا جائے تو یہ بالعموم نفرت وعداوت، فرقہ واریت، لسانی تقسیم، مذہبی تشدد اور طبقاتی کشمکش سے عبارت ہے اور اسکی وجہ جذبہ اخوت کا فقدان ہے۔ جبکہ اسلام تمام امت کو وحدت واخوت کی لڑی میں منسلک کر دیتا ہے سو اس رشتہ اخوت و محبت سے ہرگز غفلت نہیں اختیار کرنی چاہیے اور چونکہ اسلام کی رو سے تمام مسلمان باہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو اگر کسی وقت اختلاف پیش آجائے تو ان میں صلح اور ملاپ کرادیا جائے اور اللہ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ اللہ کی رحمت کی امید اسی عمل سے کی جاسکتی ہے۔

فرقہ بازی کی ممانعت کا حکم:

اسلام انسانیت کی بقاء، معاشرے میں امن وسلامتی، اتحاد، اخوت اور بھائی چارے کا ضامن ہے۔ اس میں فرقہ پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ[43]

"اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو ' اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کے کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم

دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے نجات دی 'اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پاؤ"

۱۔ حبل اللہ کو تھامنے کا حکم:

اللہ کی رسی کی متعدد تفسیریں کی گئیں ہیں، بعض مفسرین کی رائے میں اس سے مراد قرآن کریم، دین اسلام اور شریعت ہے۔ بعض مفسرین کی رائے میں اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے۔ بعض کی رائے میں اللہ کی رسی سے مراد جماعت مسلمین ہے۔ اور بعض کی رائے میں اس سے مراد اللہ کا عہد اور اس کا حکم ہے۔

ابن کثیر اس ضمن مین لکھتے ہیں: "حبل اللہ سے مراد عہد الہ ہے، جیسے الا بحبل من اللہ الخ، میں " حبل " سے مراد قرآن ہے "[44]

بہر حال تمام اقوال متقارب ہیں کیونکہ جو شخص کنویں میں اتر رہا ہوتا ہے وہ مضبوطی کے ساتھ رسی کو پکڑتا ہے تاکہ کنویں میں گر نہ جائے 'اسی طرح جو مسلمان قرآن مجید 'اللہ کے عہد 'اس کے دین یا اس کی اطاعت یا جماعت مسلمین یا اسلام کو مضبوطی سے پکڑے تو وہ جہنم کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہے گا اس لیے ان امور کو اللہ کی رسی کہا گیا ہے۔

تفرقہ بازی کی ممانعت:

اس آیت میں "ولا تفرقوا اور پھوٹ نہ ڈالو" کے ذریعے تفرقہ بازی سے روک دیا گیا ہے مطلب یہ کہ ایسا نہ ہو کہ آپس میں مختلف ٹکڑیوں میں بٹ جاؤ اور اللہ کی رسی کو چھوڑ کے الگ الگ گروپ بنالو۔ کیونکہ ایسا کرنے والا ہلاکتوں کے گڑھوں میں گرتا اور اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے، اور اللہ سے دور ہو کر ہمیشہ کیلئے مبتلائے عذاب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا فَيَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَيَكْرَهُ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ[45]

سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین باتوں کو پسند فرماتا ہے اور تین باتوں کو تمہارے لیے ناپسند فرماتا ہے۔ وہ تمہارے لیے یہ پسند فرماتا ہے کہ تم صرف اسی

کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، تم سب اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو اور تفرقہ بازی اختیار نہ کرو اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ناپسند فرماتا ہے وہ بے مقصد ادھر ادھر کی باتیں، کثرت سوال اور مال ضائع کرنا ہے"

پس معلوم ہوا کہ امت مسلمہ اللہ کی رسی کو تھام کر ہی تفرقہ اور اختلاف سے بچ سکتی ہے سو اس رسی کو کسی صورت چھوڑنا نہیں چاہیے۔

اتحاد امت ایک نعمت:

آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا جارہا ہے جس میں اہل عرب اسلام سے پہلے مبتلا تھے۔یعنی قبائل کی باہمی دشمنیاں، بات بات پر ان کی لڑائیاں، اور شب و روز کے کشت و خون، جن کی بدولت قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست و نابود ہو جاتی۔اس آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔

دوسری نعمت یہ ہوئی کہ وہ لوگ برائیوں کی وجہ سے آگ کے گھڑے کے پاس کھڑے تھے مطلب یہ کہ وہ اتنے گناہگار تھے کہ اس وقت مرتے تو سیدھا دوزخ میں جاتے مگر اللہ نے انہیں اسلام کی توفیق دے کے اس عذاب سے بچایا۔

حکمت:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ[46]

آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ علامتیں اس لیے ظاہر کیں تاکہ تم جان سکو کہ ہدایت شریعت کو مضبوط تھامنے اور تفرقہ سے بچنے میں ہے۔اور یہی وہ اصول ہیں جن پر عمل کر کے تم ہدایت کی امید کر سکتے ہو۔

عصری اطلاق:

آج کے دور میں مسلمانوں میں تفرقہ بازی بہت بڑھ گئی ہے اور اللہ کے حکم کے باوجود فرقہ واریت کو ہوا دینے والے واعظ سرگرم عمل ہیں جب ان کے پاس دوسروں کو قائل کرنے کے لیے دلیل نہیں ہوتی تو وہ فرقہ واریت کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مخالف تو دوسرے مسلک کا ہے۔جبکہ اسلام نے تو فرقہ واریت سے سختی سے منع کیا ہے کیونکہ تفرقہ بازی فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔

امام کعبہ شیخ صالح بن ابراہیم نے نوشہرہ میں جمعیت علمائے اسلام کے صد سالہ تاسیس پر خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا کہ

اسلام امن اور محبت کا دین ہے، قرآنی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ہی انسانیت کی فلاح ہے اس امت کو اللہ رب العزت نے بہترین امت بنایا۔ قرآن کہتا ہے کہ فرقہ واریت میں نہ پڑو۔ جو دین میں فرقہ واریت پیدا کرتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے۔[47]

بہر حال قرآن کریم، دین اسلام، شریعت اور جماعت مسلمین یہ سب چیزیں اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنے والی ہیں انہیں ہر حال میں تھامے رکھنا چاہیے اور ایسے تمام عوامل جو تفرقہ بازی کی وجہ بنتے ہیں ان سے بچنا چاہیے۔

غض بصر، اظہار زینت اور حجاب کا حکم:

معاشرے کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لیے اللہ تعالی نے عورتوں اور مردوں کے لیے کچھ احکام بیان کیے ہیں ۔عورتوں کے بارے میں جو حکم بیان فرمایا وہ یوں ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[48]

"اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں، یا اپنے باپ دادا پر، یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر، یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی خواتین پر یا اپنی مملوکہ باندیوں نوکرانیوں پر یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں اور اپنے پاؤں سے اس طرح چلیں جس سے ان کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں اور اے مسلمانوں تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خواتین کو نگاہیں نیچی کرنے، شرمگاہوں کی حفاظت کرنے، اپنی زینت کو ظاہر نہ کرنے، سینے

کے پردے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ ان محارم کا ذکر کیا ہے جن کے سامنے زینت کو ظاہر کرنا جائز ہے۔ ذیل میں ان کی وضاحت پیش کی جاتی ہے

خواتین کو نگاہیں نیچی کرنے کا حکم:

اس آیت میں عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نظروں کو دیکھنے کے لیے آزاد نہ چھوڑا جائے اور قصداً غیر مردوں کو نہ دیکھا جائے، اور اگر نگاہ پڑ جائے تو ہٹا لینی چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے:

أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُونَةَ قَالَتْ فَبَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا أُمِرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ[49]

"نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ محترمہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ اور آپ کی دوسری زوجہ حضرت میمونہؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت ابن ام مکتومؓ آپ کے پاس آئے یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمیں حجاب میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم دونوں اس سے حجاب میں چلی جاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہے یہ تو ہم کو نہیں دیکھ سکے گا تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم اس کو نہیں دیکھ رہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح مردوں کے لیے غیر محرم کو نہ دیکھنے کی ممانعت ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ممانعت ہے تاہم غیر ارادی نظر پڑنے سے کوئی گناہ نہیں۔

شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم:

آیت میں دوسرا حکم شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا دیا گیا ہے یعنی ناجائز شہوت رانی سے بھی پرہیز کریں، اور اپنا ستر دوسروں کے سامنے کھونے سے بھی۔ اس معاملے میں عورتوں کے لئے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے لئے ہیں، لیکن عورت کے ستر کی حدود مردوں سے مختلف ہیں، نیز عورت کا ستر مردوں کے لئے الگ ہے اور عورتوں کے لئے الگ۔

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ان کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے

آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ حضور نے فورا منہ پھیر لیا اور فرمایایا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحیض لم یصلح لها انیری منها الا هذا و هذا و اسار الی وجهه و کفیه. اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ منہ اور ہاتھ کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور اس سلسلے میں عورتوں کے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے ہیں تاہم عورت کے ستر کی حدود مردوں سے مختلف ہیں۔

زیبائش کی ممانعت:

آیت میں مذکور ایک حکم یہ ہے کہ عورت اپنی زینت کا اظہار نہ کرے سوا اس کے جو خود ظاہر ہو جائے۔زینت دو قسم کی ہے، ایک ظاہری زینت ہے وہ عورتوں کا لباس ہے اور ایک مخفی زینت ہے وہ عورتوں کے زیورات ہیں۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

" اجنبی غیر مردوں کے سامنے اپنی زینت کی کسی چیز کو ظاہر نہ کریں ہاں جس کا چھپانا ممکن ہی نہ ہو، اس کی اور بات ہے جیسے چادر اور اوپر کا کپڑا وغیرہ جنکا پوشیدہ رکھنا عورتوں کے لئے ناممکنات سے ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد چہرہ، پہنچوں تک کے ہاتھ اور انگوٹھی ہے۔"[50]

سینے کے پردے کا حکم:

زنا سے حفاظت کا ایک ذریعہ سینے کا پردہ ہے یعنی ایمان والی عورتوں کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیں تاکہ ان کے سر اور گردنیں اور سینے چھپے رہیں۔

زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اس زمانہ کی عورتیں سینہ کھول کر اور گردن اور بالیوں کو ظاہر کر کے چلتی پھرتی تھیں اور سینہ کھولے ہوئے مردوں کے سامنے سے گزرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو سینہ اور گردن کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دے دیا۔ کما قال تعالیٰ یایها النبی قل لازواجك وبنتك ونساء المومنین یدنین علیهن من جلابیبهن۔

وہ لوگ جن کے سامنے زینت کو ظاہر کرنا جائز ہے:

۱۔خاوند ۲۔سسر ۳۔باپ، دادا، پردادا ۴۔بیٹے ۵۔شوہر کے بیٹے ۶۔بھائی (جن میں حقیقی سوتیلے اور رضاعی شامل ہیں) ۷۔بھتیجے ۸۔بھانجے ۹۔عورتیں ۱۰۔لونڈیاں ۱۱۔عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے مرد

۱۲۔ نابالغ بچے۔

یہ سب محارم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محارم کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھ دی ہے کہ مرد اپنی ماں اور خالہ اور بہن کو دیکھتا ہے مگر دل میں برا خیال نہیں آتا۔ اور ان محارم کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں۔ سو عورت ان لوگوں میں اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے۔

عورتوں کو پاؤں کی زینت کا اظہار کرنے کی ممانعت:

پاؤں کی زینت سے مراد پازیبیں ہیں پس عورت کو ایسی پازیبیں بھی نہیں پہننی چاہییں جن سے جھنکار یا آواز سنائی دے کیونکہ یہ بھی مردوں کو متوجہ کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

پردے کے احکام میں حکمت:

اسلام نے عورت کے لیے پردے سے متعلق جو احکام نازل کیے ہیں ان کی واضح حکمت یہ ہے کہ یہ معاشرے کی پاکیزگی اور خود عورت کی حفاظت کے لیے ہیں۔ آیت میں لعلکم تفلحون کے الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ فلاح کا حصول اسی صورت ممکن ہے کہ ان احکامات الٰہی پر عمل کیا جائے اور اب تک اس معاملے میں جو غلطیاں ہو چکی ہیں ان کی معافی اللہ سے مانگ لی جائے۔

عصری اطلاق:

موجودہ دور جسے ایک انقلاب آفرین دور کہا جاتا ہے اس دور میں ہر فرد چاہے وہ مسلم معاشرے سے ہو یا غیر مسلم معاشرے سے وہ یورپ اور مغرب کی نقالی کرنے میں مصروف ہے۔ بلکہ یورپ اور مغربی کلچر کا بھوت اور ناسور مسلم معاشرے کے اندر تیزی سے پھیل رہا ہے

آج کا مسلم معاشرہ ان تمام برائیوں میں مبتلا ہے جسے قیامت کی نشانیوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مسلم قوم کی بیٹی کا لباس ،ان کی مخلوط تعلیم ،ان کا آزادانہ گھومنا پھرنا یہ مسلم لبرل خاندان میں عام سمجھا جاتا ہے۔ یہ چیزیں ہیں جنہوں نے معاشرے میں بے حیائی، زنا، جنسی زیادتی اور عورتوں پر تشدد جیسے واقعات کو بڑھا دیا ہے۔

پاکستان میں بھی مغربی تقلید عورتوں میں بڑھتی جا رہی ہے تاہم اس بے پردگی کے بڑھتے ہوئے رجحان سے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل نے پردے کے بارے میں سفارشات دیں مگر اس پر بھی میڈیا نے بہت تنقید کی۔ سفارشات یہ تھیں کہ " پردہ اور حجاب شرعی حکم ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ جہاں تک چہرے کے پردے کا تعلق ہے تو جہاں

فتنہ کا اندیشہ ہو جیسے دفاتر، تعلیمی ادارے، ہسپتال و دیگر ایسے موقعوں پر پردہ واجب ہے البتہ ضرورت اور فتنہ کے نہ ہونے کی صورت میں چہرہ، ہاتھ اور پاؤں سے پردہ ہٹانے کی گنجائش ہے"[51]

بہرحال ہم ایک مسلم معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں اور پردے کے احکام عورت کے اپنے تحفظ اور معاشرے کی پاکیزگی سے تعلق رکھتے ہیں سوان پر عمل ضروری ہے۔

نتائج بحث

- قصاص میں سب کی زندگی کی حفاظت کا سامان ہے اور یہی ہولناک انجام سے بچاؤ کا زریعہ ہے۔
- حکم استیذان میں فرد کی نجی زندگی کا تحفظ مضمر ہے لہذا دوسروں کے گھروں یا کمروں میں اجازت لے کر داخل ہونا ضروری ہے۔
- معذور لوگ اپنی بھوک رفع کرنے کے لیے دوسروں کے گھروں سے کھا سکتے ہیں کیونکہ ان کی معذوری بجائے خود سارے معاشرے پر ان کا حق قائم کرتی ہے۔
- گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کہنا خیر و سلامتی کا باعث بنتا ہے۔
- عدل واحسان اور رشتہ داروں سے حسن سلوک معاشرے میں خیر و بھلائی کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا کا باعث بننے والی عادات ہیں۔
- پختہ قسموں کو پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ ان پر اللہ کی ذات مواخذہ فرمائے گی تاہم اگر قسم کو پورا نہ کیا جاسکے تو کفارہ ادا کرکے اللہ کی گرفت سے بچا جاسکتا ہے۔
- مومن بھائیوں میں صلح کرانا اللہ کی رحمت کے حصول کا باعث بنتا ہے۔
- تفرقہ بازی کو فروغ دینے والے فلاح نہیں پاسکتے۔
- پردہ عورت کے تحفظ اور معاشرے کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

تجاویز و سفارشات

- قرآنی لفظِ لعلکم جیسے دیگر عنوانات کے تحت آرٹیکلز لکھے جائیں تاکہ قرآن کریم سے براہ راست استفادہ کیا جاسکے۔
- قرآنی لفظِ لعلکم کے تحت بیان کردہ مضامین کے اسرار و حکم کو سمجھا جائے۔

- قرآنی لفظِ لعلکم کے تحت بیان کردہ معاشرتی احکامات میں موجودت تذکیری واصلاحی پہلوؤں پر عمل کیا جائے تا کہ دنیاو آخرت میں کامیابی مل سکے۔

حوالہ جات

[1]الرحمٰن،۵۵:۴

[2]الشوری،۴۲: ۱۷

[3]ابن منظور، محمد بن المکرم(۶۳۰م۔۷۱۱ھ) لسان العرب،دار احیاٗ، التراث العربی،بیروت،۱۲: ۲۹۱

[4]زبیدی، محمد بن مرتضیٰ، تاج العروس من جواہر القاموس،دار احیاءبیروت، لبنان،۸ :۱۰۸

[5]ایضا

[6]ابن ھشام،الانصاری،جمال الدین بن یوسف(۷۶۱ھ) مغنی اللبیب،مکتبہ ومطبعہ محمد علی صبیح، مجیدان الازھرت،۱:۲۸۷

[7]امغنی اللبیب۱:۲۸۸

[8]راغب اصفہانی،ابوالقاسم الحسین بن محمد(م۵۰۲ھ)المفردات فی غریب القرآن، کتاب الام،مکتبہ دار المعرفہ ،بیروت، لبنان

[9]زین العابدین، قاضی، بیان اللسان،دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ اردو بازار کراچی،:۷۰۰

[10]کیرانوی،وحید الزمان قاسمی،القاموس الجدید،ادارہ اسلامیات،انارکلی لاہور:۸۲۸

[11]البقرہ، ۲: ۱۷۹

[12]راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ ایران ۲: ۲۹۲

[13]پانی پتی، قاضی ثناءاللہ(۱۲۲۵ھ) تفسیر مظہری،دارالاشاعت اردو بازار،لاہور، ۱: ۲۳۲

[14]البقرہ، ۲: ۱۷۹

[15]"اکیسویں صدی میں قصاص" https://ur.wikipedia.org

[16]ایضا

[17]النور،۲۴: ۲۷

[18]بخاری، محمد بن اسماعیل(۲۵۶ھ)،الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول ﷺ وسننہ وایامہ، کتاب تفسیر القرآن،باب من اطلع فی بیت قوم ففقئوا عینہ،فلا دیۃ لہ، مکتبہ دار طوق النجاۃ رقم الحدیث ۶۹۰۲

[19] تفسیر القرآن العظیم ۳: ۳۷۹

[20] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (۲۷۵ھ)، السنن، کتاب الأدب، باب کیف الاستئذان؟، المکتبہ العصریہ، صیدا، بیروت۔، رقم الحدیث ۵۱۷۷

[21] النور، ۲۴: ۲۷

[22] النور، ۲۴: ۶۱

[23] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأطعمۃ، باب طعام الواحد یکفی الإثنین، رقم الحدیث ۵۳۹۲

[24] النور ۲۴: ۶۱

[25] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الإیمان، باب إطعام الطعام من الإسلام، رقم الحدیث ۱۲

[26] أبو داؤد، السنن، کتاب الأدب، باب کیف السلام؟، رقم الحدیث ۵۱۵۹

[27] النور، ۲۴: ۶۱

[28] النحل، ۱۶: ۹۰

[29] مفردات القرآن ۲: ۱۱۴

[30] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب فضل صلۃ الرحم، رقم الحدیث ۵۹۸۳

[31] بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۳

[32] الاعراف ۷: ۳۳

[33] مسلم بن حجاج، القشیری۔ الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث ۲۵۷۷

[34] المائدہ، ۵: ۸۹

[35] مریم، ۱۹: ۶۲

[36] تفسیر مظہری، ۴: ۱۸

[37] المائدہ، ۵: ۸۹

[38] النحل، ۱۶: ۹۱

[39] الحجرات، ۴۹: ۱۰

[40] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم والغصب، باب لایظلم المسلم المسلم ولایسلمہ، رقم الحدیث ۲۴۴۲

[41] بخاری، الجامع الصحیح، بخاری، کتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابہ: إذھبوا بنا نصلح، رقم الحدیث ۲۶۹۳

[42] تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۳۲۹

[43] آل عمران ۳: ۱۰۳

[44] تفسیر القرآن العظیم ۱: ۴۶۴

[45] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الأقضیۃ، باب النھی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ، رقم الحدیث ۱۷۱۵

[46] ایضا

[47] https://www.samaa.tv/urdu/pakistan/2017/04/7

[48] النور،۲۴: ۳۱

[49] ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (۲۷۹ھ)، السنن، کتاب الأدب، باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال، دار الغرب الاسلامی، بیروت، رقم الحدیث۲۷۷۸

[50] تفسیر القرآن العظیم ۳: ۳۸۲۔۳۸۳

[51] الجمعیۃ شمارہ نومبر ۲۰۱۵